درس قرآن

تراثِ رحمانی در فوائد قرآنی

دکتور اسماعیل محمد امین

قال اللہ تعالیٰ ﴿وَإِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝﴾ [سورة البقرة: ٦٠]

''جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے فرمایا: اپنی لاٹھی اس پتھر پر مار! تب اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ بلاشبہ ہر گروہ نے اپنی پینے کی جگہ پہچان لی۔ اللہ تعالیٰ کا رزق کھاؤ اور پیو اور زمین میں فساد نہ مچاؤ۔''

سابقہ آیات سے ربط اور مختصر تفسیر:

سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر میدان تیہ میں کی ہوئی نعمتوں اور ان کی نافرمانیوں کی طرف اشارہ کیا، ان نعمتوں میں منّ وسلویٰ وغیرہ شامل ہیں۔ زیر تفسیر آیت مبارکہ میں بنی اسرائیل کو حاصل ایک اور نعمت کی طرف اشارہ فرمایا کہ جب انہیں میدان تیہ میں پیاس لگی اور وہاں دور دور تک پانی کا نام ونشان تک نہ تھا، تو لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پانی نہ ملنے کی شکایت کی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پانی کے لیے دعا کی تو اللہ نے ان کے لیے پانی کا سامان مہیا کر دیا۔

﴿وَإِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ﴾ (وَإِذْ) یعنی اس وقت کو یاد کرو، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا۔ ﴿اِسْتَسْقٰى﴾ سَقْيٌ سے مشتق ہے، جس کے معنی پانی پلانے کے ہیں۔ ﴿اِسْتَسْقٰى﴾ باب استفعال سے ہے، اس کی سین کو سین السؤال کہا جاتا ہے۔ معنی پانی طلب کرنا ہے۔ اسی سے صلاۃ الاستسقاء بھی ہے۔ یعنی بارش کی بندش کے موقع پر میدان میں انتہائی عاجزانہ انداز میں جا کر مخصوص نماز ادا کرتے ہوئے بارش کی دعا کرنا۔

﴿وَإِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى﴾ اصل میں استسقانا ہے، یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہم سے پانی مانگا۔ سیاق وسباق میں ظاہر قرینہ کی وجہ سے مسؤول (اللہ) حذف کر دیا گیا ہے۔ ﴿فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ﴾ میں

(فَقُلْنَا) میں "فا" سببیہ ہے، یعنی اس دعا کی وجہ سے ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا: ﴿اِضْرِبْ بِعَصَاکَ﴾ اپنی لاٹھی مار اور عصا کی الف دراصل واو سے بدلی ہوئی ہے۔ یہ مفرد ہے، اس کی جمع فعول کے وزن پر آتی ہے۔ پھر تعلیل ہوکر عُصِیّ اور عِصِیّ ہے۔ ﴿عصاک﴾ سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وہ خاص لاٹھی ہے، جو اللہ تعالیٰ نے معجزہ کے طور پر عطا کی تھی۔ اس کے ذریعے نبوتِ موسیٰ علیہ السلام کی حقانیت پر چار بڑے معجزے ظاہر ہوئے:

(۱) جب موسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے پتھر پر مارتے تو چشمے پھوٹ پڑتے۔

(۲) اسے زمین پر رکھ دیتے تو سانپ بن جاتا، جب اسے ہاتھ میں لے لیتے تو عصا بن جاتا۔

(۳) جب موسیٰ علیہ السلام نے دریا پر مارا تو فوراً دریا پھٹ کر بارہ راستے بن گئے۔

(۴) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کے مقابلے میں اسے پھینک دی تو اژدھا بن کر سب کو کھا گیا۔ اس طرح جادو کا طلسم ٹوٹ گیا۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لیے کوہ طور گئے، تو یہی لاٹھی موضوعِ سخن بھی بن گئی: ﴿وَمَا تِلْکَ بِیَمِیْنِکَ یٰمُوْسٰی قَالَ هِیَ عَصَایَ أَتَوَکَّأُ عَلَیْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلٰی غَنَمِیْ وَلِیَ فِیْهَا مَآرِبُ أُخْرٰی﴾ [طٰہٰ: ۱۷-۱۸] "اے موسیٰ علیہ السلام تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ جواب دیا: یہ میری لاٹھی ہے، جس پر میں ٹیک لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں۔ اس میں مزید بہت سے فائدے ہیں۔"

﴿اَلْحَجَر﴾ پتھر، چٹان کو کہا جاتا ہے۔ وہ پتھر جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی لاٹھی مارنے کا حکم ہوا، اس میں اختلاف ہے۔ کیا یہ مخصوص پتھر تھا یا عام پتھر؟

پہلا قول: یہ ایک مخصوص پتھر تھا، ﴿اَلْحَجَرَ﴾ میں الف لام عہد کے لیے ہے۔ اگر وہ مخصوص تھا، تو کون سا پتھر تھا؟ اس میں مفسرین کے مزید اقوال ہیں:

(الف) مربع شکل کا ایک پتھر تھا، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام میقات کے دنوں کوہ طور سے لائے تھے۔ اس کے چاروں اطراف سے تین تین چشمے نکلتے تھے۔ اور جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ پہنچتے، وہاں یہ پتھر بھی پہنچ جاتا تھا۔ [السنن الکبریٰ للنسائی کتاب التفسیر سورۃ طٰہٰ باب قولہ تعالیٰ "وفتناک فتونا" ح ۱۱۲۶۳] اور بعض کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام اسے اپنے بیگ میں اٹھا کر سفر کرتے تھے۔

(ب) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غسل کر کے اس پتھر پر رکھے ہوئے کپڑے لینا چاہا تو پتھر آپ علیہ السلام کے

کپڑے لے بھاگا تھا۔[صحیح البخاری ح۲۷۸،صحیح مسلم ح۳۳۹]

(ج) اس پتھر کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے کہنے پر موسیٰ علیہ السلام نے سنبھال رکھا تھا۔ وہ پتھر اور عصا دونوں حضرت آدم علیہ السلام جنت سے لے کر آئے تھے۔ پھر بعد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے تھے۔

دوسرا قول: یہ کوئی خاص پتھر نہیں تھا؛ بلکہ اللہ کے حکم پر کسی بھی پتھر کو مارتے تو وہاں سے چشمے پھوٹتے تھے۔ اس صورت میں ﴿اَلْحَجَرَ﴾ کا "لام" جنس کے لیے ہوگا۔ امام قرطبی، شوکانی اور شیخ ابن العثیمین وغیرہ فرماتے ہیں کہ اسی توجیہ میں اعجاز اور بلاغت کا پہلو زیادہ نمایاں ہے۔ ﴿فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا﴾ یعنی فَضَرَبَ فَانْفَجَرَتْ جب موسیٰ علیہ السلام نے مارا تو وہاں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ ﴿فَانْفَجَرَتْ﴾ کا مصدر انفجار ہے، جو انشقاق کے معنی میں ہے یعنی پھوٹ پڑنا۔ اسی سے صبح صادق کو "فجر" کہا جاتا ہے؛ کیونکہ افق سے صبح کی روشنی پھوٹ پڑتی ہے۔ سورۃ الاعراف میں ﴿فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا﴾ آیا ہے۔

انفجار اور انبجاس کا فرق: انبجاس چشمہ پھوٹنے کا پہلا مرحلہ ہے جب پانی آہستہ نکلتا ہے، بعد میں زور سے نکلنے لگتا ہے تو اسے انفجار کہا جاتا ہے۔ حضرت عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں: جب موسیٰ علیہ السلام اس پتھر کو ایک دفعہ مارتے تو پستان سے دودھ نکلنے کی طرح پانی نکلنے لگتا، پھر زوردار انداز سے پانی بہتا تھا۔ امام ابن عطیہ فرماتے ہیں: اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ چوکور پتھر تھا اور اس کے چاروں اطراف سے تین تین چشمے پھوٹتے تھے، جب ضرورت ختم ہوتی تو وہ سوکھ جاتے تھے۔ اور بعض اہل لغت کے نزدیک دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

﴿عین﴾ اسماء مشترکہ میں سے ہے، سیاق وسباق سے اس کا معنی متعین ہوگا۔ مثلاً کہا جائے گا: (عین الماءِ) پانی کا چشمہ جیسا کہ زیر تفسیر آیت میں مراد ہے۔ (عینُ الانسانِ): آنکھ۔ چشمہ کو "عین" کہا گیا، کیونکہ چشمہ اور جانوروں کی آنکھ میں مشابہت پائی جاتی ہے۔ آنکھ سے آنسو بہتا ہے اور چشمہ سے پانی۔ اور بعض نے کہا ہے زمین میں سب سے زیادہ اشرف اور قیمتی چیز چشمہ ہے۔ اس لیے اسے (عین الحیوان) حیوان کی آنکھ سے تشبیہ دی گئی؛ کیونکہ آنکھ انسان کا سب سے قیمتی عضو ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی اولاد پھیل کر بنی اسرائیل کے بارہ خاندان بن گئے تھے۔ اس لیے اس پتھر سے معجزانہ طور پر بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔

﴿قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَشْرَبَهُمْ﴾ مذکورہ جملے میں منهم محذوف ہے۔ ﴿كُلُّ أُنَاسٍ﴾ أناس جمع ہے، لیکن

اسی صیغہ سے اس کا مفرد نہیں ہے۔ اس کا مفرد إنسان نہیں ہے؛ کیونکہ اس کی جمع أناسي اور أناسية آتی ہے۔ ﴿مشربھم﴾ مشرب ظرف مکان ہے: پینے کی جگہ، اور ظرف زمان کا معنی بھی متضمن ہے۔ یعنی ان بارہ قبائل نے الگ الگ اپنے پینے کی جگہ اور وقت پہچان لیا، تاکہ ایک دوسرے کو رش سے تکلیف نہ پہنچائیں، سب آرام وسکون سے پی سکیں۔ ﴿كُلُوا واشْرَبُوا مِنْ رِزْقِ اللهِ﴾ اصل کلام ہے: فَقِيلَ لَهُمْ كُلُوا وَاشْرَبُوا ان سے کہا گیا کہ تم اللہ کے دیے ہوئے رزق سے کھاؤ اور پیو۔ ﴿مِنْ رِزْقِ اللهِ﴾ اگرچہ عام ہے، لیکن یہاں اس سے مراد بغیر کسی مشقت اور تھکاوٹ کے من وسلویٰ کھاؤ اور اس پتھر سے پھوٹنے والا میٹھا پانی پیو۔ ﴿وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ﴾ وَلَا تَعْثَوْا اس کے مختلف ابواب ہیں، سب کے معنی متقارب ہیں۔ اس میں بھی "فساد" کا معنی پایا جاتا ہے۔ اسی سے العثة اون چاٹنے والے کیڑے کو کہا جاتا ہے۔ اصل میں (عثا) فساد کی شدت؛ بلکہ بدترین فساد کو کہا جاتا ہے۔ زمین میں فساد مچانے سے مراد اللہ تعالیٰ کی جملہ نافرمانیوں کا ارتکاب کرنا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ○﴾ [الروم: ٤١] ﴿مُفْسِدِينَ﴾ حال ہے، اور سابقہ جملہ ﴿وَلَا تَعْثَوْا﴾ کا ہم معنی ہے، جو کلام میں تاکید پیدا کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔

سلفؒ سے اس کی تفسیر میں دو اقوال مروی ہیں:

(۱) تم زمین میں فساد مچاتے ہوئے مت چلو۔

(۲) تم زمین میں اللہ کی سرکشی یعنی نافرمانی نہ کرو۔

فساد فی الارض کا مفہوم عموماً چوری، ڈاکہ، لوٹ مار، قتل وغارت اور حقوق العباد کو غصب کرنا سمجھا جاتا ہے، جبکہ شرعی نقطہ نظر سے حاکم مطلق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس لحاظ سے جو شخص بھی اللہ کے اور بندوں کے مابین حقوق پر ڈاکہ ڈالے گا، وہ فساد فی الارض کا مجرم ہوگا۔ اسی لحاظ سے اللہ کے ساتھ شرک کرنے والا سب سے بڑا مفسد ہے۔ اور اللہ کے دین کے خلاف معاندانہ سرگرمیاں، خفیہ مشورے یا بغاوت کرنا بھی اتنا ہی شدید جرم ہے، جتنا ڈاکہ ڈالنا یا چوری کرنا۔ الغرض تمام معاصی اور گناہ کے امور فساد فی الارض میں داخل ہیں۔ [الطبری، القرطبی، ابن کثیر، ابن عطیة، الشوکانی، السعدی، ابن العثیمین، کیلانی]

زیر تفسیر آیت سے مستنبط فوائد:

فائدہ نمبر۱: معلوم ہے کہ پانی زندگی کے لیے لازمی چیز ہے۔ ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾

[الأنبیاء ۳۰] ''اور ہم نے پانی سے ہر چیز کو زندہ کیا۔'' اس لیے پانی کا فقدان اور بارش کی بندش ایک بڑی مصیبت ہے، جس کی وجہ انسان کے برے اعمال ہیں۔ خاص طور پر مالداروں کا زکاۃ ادا نہ کرنا، بارش کے رک جانے کا بڑا سبب ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:'' **ولم یمنَعُوا زکوٰۃ أموالِهم إلا منِعُوا القطرَ مِن السمآءِ ولولا البهائمُ لم یُمطَروا**'' [ابن ماجه ح ۴۰۱۹، الصحیحة ح۱۰۶] ''اگر کوئی قوم زکاۃ ادا نہ کریں تو اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش روک دے گا، اگر یہ چوپائے نہ ہوتے تو ان پر بارش کبھی نہ برستی۔'' اس لیے جب بھی بارش رک جائے تو تمام لوگوں کو چاہیے کہ گناہوں سے توبہ کریں اور فقر و مسکنت ظاہر کرتے ہوئے اللہ کی طرف رجوع کریں۔ زیر تفسیر آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ سے پانی کے لیے دعا کرنے کی مشروعیت کی دلیل موجود ہے۔ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے پانی مانگا وہاں ہمارے آخری نبی ﷺ سے ''استسقاء'' کے دو طریقے ثابت ہیں:

۱۔ آپ علیہ السلام جمعہ کے خطبے کے دوران بارش کے لیے دعا کرتے تھے۔ جیسا کہ ایک دفعہ دوران خطبہ ایک آدمی نے قحط سالی کا شکوہ کرتے ہوئے آپ ﷺ سے بارش کے لیے دعا کی درخواست کی، جس پر آپ نے دوران خطبہ ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور صحابہ کرام نے ہاتھ اٹھا کر آمین کہا۔ جس کے فوراً بعد بارش کا سلسلہ شروع ہوا۔[البخاری ح۱۰۱۴]

۲۔ آپ علیہ السلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر میدان میں مخصوص انداز میں انتہائی عاجزی کے ساتھ نماز استسقاء ادا کرتے تھے۔[البخاری کتاب الاستسقاء ح:۱۰۲۱، مسلم کتاب صلاة الاستسقاء، القرطبی، ابن العثیمین]

فائدہ نمبر۲: اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برسا کر اپنی مخلوق کو پانی پلاتے ہیں؛ اسی طرح زمین سے چشمے جاری کر کے بھی پانی مہیا کرتے ہیں۔[ابن العثیمین]

فائدہ نمبر۳: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ سے پانی مانگنا اور اسی طرح ہمارے نبی ﷺ کا نماز استسقاء کا اہتمام اور استسقاء کی دعا کرنا ثابت کرتا ہے کہ تمام انبیاء کرام دوسروں کی طرح اللہ کے محتاج تھے اور اللہ ہی سے مانگنے والے تھے۔ اور وہ اپنی تمام حاجات کے حل کے لیے اللہ ہی سے رجوع کرتے اور صرف اللہ کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے تھے۔ اور اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ سخی اور عطا فرمانے والے ہیں۔[ابن العثیمین]

فائدہ نمبر۴: ﴿وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِب﴾ اس میں اللہ کی صفت سمع کا اثبات ہے ﴿فَقُلْنَا﴾ میں فاء سببیہ ہے، یعنی موسیٰ علیہ السلام نے پانی مانگا تو ہم نے سنا اور اس سے کہا۔ یعنی اللہ تعالیٰ بندہ کی دعا سن لیتا ہے۔

فائدہ نمبر۵: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر اپنا عصا مارا تو بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ اس میں کمال قدرتِ الٰہی کی

دلیل ہے؛ کیونکہ پتھر سے چشمہ کا جاری ہونا خلاف عادت امر ہے۔لیکن اس وقت اللہ کے کمال قدرت سے اس خشک اور سخت پتھر سے بارہ الگ الگ چشمے پھوٹ پڑے۔اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کی بڑی نشانی اور ایک معجزہ تھا۔

لیکن ہمارے نبی ﷺ کو اس سے بڑا معجزہ عطا ہوا، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ہم ایک دفعہ 1500 افراد تھے، آپ ﷺ کے سامنے ایک برتن لایا گیا اور اس میں آپ نے اپنا ہاتھ مبارک رکھا تو آپ کی انگلیوں کے درمیان سے چشمے کی طرح پانی پھوٹنا شروع ہوا اور آپ کہنے لگے: "حيَّ على الطهورِ والبركة مِن اللهِ عزوجلّ" "پاکیزہ پانی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے میسر برکت کی جانب آؤ۔" [النسائی ح:۷۷]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ نبی ﷺ کے پاس ایک کشادہ برتن لایا گیا جس میں آپ نے اپنی انگلیاں رکھیں۔حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کی انگلیوں سے پانی پھوٹتا ہوا دیکھا۔اور اندازاً 70 سے 80 کے درمیان لوگوں نے اس سے وضو کیا۔[صحیح البخاری ح ۲۰۰]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے اور ہمارے نبی ﷺ کے معجزے کا موازنہ کریں تو یہ واضح ہوتا ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کا معجزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے سے زیادہ بڑا ہے۔کیونکہ پتھر زمین پر ہونے کی وجہ سے پتھر سے پانی جاری ہونا ممکن ہے، بلکہ مشاہدہ بھی ہے۔اور اللہ نے بھی بعض پتھر سے عمومی طور پر پانی جاری ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے: ﴿وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ﴾ [البقرة ۷٤] لیکن انسان کے گوشت اور خون والے عضو سے، یعنی انگلیوں کے درمیان سے پانی کا پھوٹ پڑنا بہت بڑا معجزہ ہے، جو صرف ہمارے نبی ﷺ کو عطا ہوا۔[القرطبی، ابن العثیمین]

فائدہ نمبر۶: آیت مبارکہ میں اس بات کی تصریح ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں معجزانہ طور پر بنی اسرائیل کے لیے بارہ چشمے جاری فرمائے۔

انسانی ناقص اور محدود "عقل" کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی باتوں پر ترجیح دینے والوں میں سے بعض نے عقل میں عدم تصور کا بہانہ بنا کر اس واضح نص قرآن سے ثابت معجزے کا انکار کرتے ہوئے اس کی تاویل کی ہے۔مثلاً ان میں سے ایک کا یہ کہنا ہے: آیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی لاٹھی کے سہارے پہاڑ پر چڑھنے کو کہا تھا، اور اس پہاڑ کو کراس کرنے کے بعد ایسے مقام پر پہنچ جاؤ گے، جہاں تمہیں بارہ چشمے ملیں گے۔

یہ تأویل جہاں قرآن مجید کے ظاہری سیاق وسباق کے بالکل منافی ہے، وہاں اللہ تعالیٰ کے کمالِ قدرت کے بھی منافی ہے۔مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے اس نظریہ کی تفصیلی تردید کی ہے۔[تفسیر ثنائی ۱/۶۳-۶٤]

مذکورہ باطل تاویل کی تردید مندرجہ ذیل باتوں سے بھی ہوسکتی ہے:

(۱) اس کی نفی سے تمام انبیاء کے معجزات جو کہ خرق عادت امور پر مشتمل ہوتے ہیں، سب کی بھی نفی لازم آتی ہے۔

(۲) اگر ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مذکورہ معجزے کو بعید از عقل کہہ کر انکار کر دیں، تو بنی اسرائیل کے لیے آسمان سے من وسلویٰ کا نازل ہونا اور اسی طرح دریا کا پھٹ کر بارہ راستے تیار ہونا وغیرہ کیا عقل مانتی ہے؟

فائدہ نمبر۷: بنی اسرائیل کے لیے بارہ چشموں کے ذریعے پانی مہیا کرنے میں اللہ کی حکمت مضمر ہے۔ اور اس میں انہیں دو فائدے تھے:

۱: بارہ چشمے جاری کرنے کا مقصد بنی اسرائیل کے لیے پانی پینے میں وسعت پیدا کرنا تھا، تاکہ وہ بغیر کسی اژدھام کے آرام سے پانی پی لیں۔

۲: اگر ایک ہی چشمہ جاری ہوتا تو غالباً یہ کم ظرف قوم لڑتی اور جھگڑتی۔ جب ہر قبیلے کے لیے الگ الگ چشمہ متعین ہوگیا، تو انہیں لڑنے جھگڑنے کا موقع نہیں ملا۔ اس طرح وہ آپس کے بغض وعداوت سے محفوظ رہے۔ یہ بھی بنی اسرائیل پر اللہ کی طرف سے ایک بڑی نعمت تھی۔ [ابن العثیمین]

فائدہ نمبر۸: ﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِزْقِ اللهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ○﴾ یہاں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو اپنی نعمتوں کی یاد دلا کر شکر کی تلقین کر رہے ہیں۔ [الجزائری] یعنی نیکی کے کام سرانجام دیں اور تمام منہیات سے مکمل طور پر اجتناب کریں اور فساد فی الارض کی تمام صورتوں سے اپنے آپ کو بچا کر رکھیں۔ اور آیت مبارکہ میں زمین میں فساد پھیلانا مطلق طور پر حرام ہونے کی دلیل بھی موجود ہے؛ کیونکہ ﴿وَلَا تَعْثَوْا﴾ نہی ہے، اور نہی اصل میں تحریم کے لیے آتی ہے۔ [ابن العثیمین]

فائدہ نمبر۹: ﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِزْقِ اللهِ﴾ میں امر اباحت کے لیے ہے، اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے جو آسمان سے نازل کیا یا زمین سے چیزیں نکالیں، ان تمام چیزوں میں "اباحت" یعنی حلال ہونا اصل ہے۔ اسی طرح معاملات میں بھی "مباح ہونا" اصل ہے۔ اگر کوئی ان میں سے کسی چیز کو حرام قرار دے، تو اس پر اسے دلیل پیش کرنا لازم ہوگی۔ جبکہ عبادات میں اصل حکم "منع اور تحریم" ہے، کسی عبادت کی مشروعیت کے ثبوت کے لیے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ [ابن العثیمین]

❁❁❁❁